زیرِ نظر کتاب کے مرتّب جناب ڈاکٹر حسن علی بیگ نے ترتیب و تدوین میں بڑی محنت کی ہے مگر ٹائپ کی اغلاط بہت زیادہ ہیں۔ دو صفحات (ص ۲۶۳ - ۲۶۴) کے اغلاط نامے کے باوجود کئی اغلاط گرفت میں نہیں آسکیں۔ صفحہ ۱۵۹ پر بابر کی صاحبزادی (اہلیہ مرزا نورالدین) کو پہلے گلبرگ بیگم لکھا گیا ہے اور چند سطروں کے بعد اسے "گلرنگ خانم" بتایا گیا ہے۔ صفحہ ۱۷۶ پر محمد غوث گوالیاری کی تالیف "جواہر خمسہ" کو Aljh waheru-ul-Khams درج کیا گیا ہے۔ اعلیٰ تحقیقی اداروں کی شائع کردہ کتب میں اغلاط کی موجودگی کوئی اچھا تاثر پیدا نہیں کرتی۔

بیرم خان کے بارے میں انسٹی ٹیوٹ آف سنٹرل ایشین اینڈ ویسٹ اسٹڈیز کی یہ تیسری کتاب ہے۔ ۱۹۷۱ء میں بیرم خان کا فارسی اور ترکی کلام شائع کیا گیا تھا۔] ۱۹۸۹ء میں بیرم خان کے فرزند عبدالرحیم خان خاناں پر دیبی پرشاد کائستھ کی تالیف جدید مقدمہ و حواشی کے ساتھ شائع کی گئی۔ امید ہے انسٹی ٹیوٹ اسی طرح ان شخصیات کے بارے میں تالیفات کا سلسلہ جاری رکھے گا جو بیک وقت وسطی ایشیا اور برصغیر سے تعلق رکھتی تھیں۔ (اختر راہی)

Tatarstan: Past and Present

(تاتارستان: ماضی و حال)

مرتّبین : ایم-زیڈ-ذکی، جے-اے-ایلن، ایس-اکینز

ناشر : اسکول آف اوریئنٹل اینڈ افریقن اسٹڈیز، یونیورسٹی آف لندن، لندن

سالِ اشاعت : ۱۹۹۲ء

صفحات : ۵۴

قیمت : درج نہیں

تاتارستان، رشین فیڈریشن کی حدود میں سولہ خود مختار جمہوریاؤں میں سے بلحاظ آبادی دوسری بڑی جمہوریہ ہے۔ (سب سے بڑی خود مختار جمہوریہ بشکیریا ہے۔) تاتارستان قدرتی وسائل اور بالخصوص تیل کی دولت سے مالامال ہے، صنعتی اعتبار سے ترقی یافتہ اور مواصلات کے حوالے سے رشین

فیڈریشن کے کسی دوسرے حصے سے پیچھے نہیں۔ آبادی ۳۶ لاکھ ۴۰ ہزار نفوس پر مشتمل ہے جن میں تقریباً بیس لاکھ نسلاً تاتار ہیں۔ تاتاروں کی غالب اکثریت اس خطے میں نفوذ اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمان ہو گئی تھی اور زارشاہی عہد میں ترغیب و ترہیب کی تمام کوششوں کے باوجود حسبِ معمول دینِ اسلام سے وابستہ رہی۔ آج تاتار آبادی کا تقریباً ۹۹ فیصد حنفی مسلمانوں پر مشتمل ہے، تاہم سابق سوویٹ یونین کی کل تاتار آبادی کا صرف ۲۶ فیصد تاتارستان میں آباد ہے۔ باقی آبادی سابق سوویت یونین کی یونین جمہوریتوں اور حالیہ آزاد ریاستوں میں منقسم ہے۔ تاتارستان کی اکثریت نے ۱۹۹۲ء کے آغاز میں ہونے والے ایک ریفرنڈم کے ذریعے کامل آزادی کی خواہش کا اظہار کیا تھا مگر آزادی کی یہ تحریک وقت کے ساتھ ساتھ تیزی سے ترقی نہیں کر سکی۔

گزشتہ برس ماہ جون میں یونیورسٹی آف لندن کے "اسکول آف اورنٹیل اینڈ افریقن اسٹڈیز" نے قازان اور ماسکو کی "اکیڈمیز آف سائنسز" کے تعاون سے تاتارستان کے ماضی و حال پر ایک کانفرنس کا اہتمام کیا تھا۔ اس کانفرنس میں پیش کردہ سات مقالات، جو قازان اور ماسکو کے اہلِ علم کی کاوش ہیں، زیرِ نظر کتابچے کی صورت میں یکجا کیے گئے ہیں۔ کتابچہ دو حصّوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصّے میں تاتاروں کی علاقائی اور ثقافتی شناخت سے متعلق چار مقالات ہیں۔ دوسرے حصے کے تین مقالات وسطی ایشیا اور وولگا خطے میں قومی تحریکوں کے بارے میں معلومات فراہم کرتے ہیں۔

تاتارستان میں اسلام کے حوالے سے بالخصوص چار مقالات میں اظہارِ خیال کیا گیا ہے۔ ایک مقالہ نگار کی رائے میں ۱۹۹۰ء کے بعد تاتارستان میں مختلف اسلامی تنظیمیں وجود میں آئی ہیں۔ ان تنظیموں کا اسلام کے بارے میں واضح موقف ہے۔ اسلامی روایت کا احیاء جاری ہے، تاہم رواں مرحلے میں یہ ثقافتی-دینی احیاء ہے، سیاسی-دینی احیاء نہیں۔ مقالہ نگار نے دینی روایت سے تاتار مسلمانوں کی لگن کا ذکر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ بہائی اور قادیانی اپنے پروپیگنڈے کے باوجود تاتاروں کو اپنے حلقۂ اثر میں لانے میں بُری طرح ناکام رہے ہیں۔ تاتارستان کی مسلم تنظیموں کے نہ صرف سابق سوویت یونین کی نوآزاد ریاستوں کے مسلمانوں سے روابط ہیں بلکہ انہوں نے عالمِ اسلام کی برادر تنظیموں سے تعلقات قائم کر لیے ہیں، اس لحاظ سے تاتار مسلم تنظیمیں مستقبل میں زیادہ موثر کردار ادا کر سکیں گی۔

"اسلام اور جمہوریت" کے حوالے سے ایک مقالے میں "تحریکِ نہضتِ اسلامی" کو "جدیدیت" کی بازگشت قرار دیا گیا ہے۔ رشین فیڈریشن میں عیسائیت اور اسلام کے روابط پر گفتگو کرتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ رشین فیڈریشن کے مستقبل کا انحصار آرتھوڈوکس مسیحیوں اور مسلمانوں کے باہمی روابط پر ہے۔ دونوں مذاہب کے پیروکاروں میں ہمیشہ قابلِ رشک تعلقات نہیں رہے، تاہم تاریخ میں ایسے ادوار بھی ہیں جب رواداری اور تحمل کی قوتیں غالب تھیں۔

کانفرنس میں پیش کرنے کے لیے لکھے گئے مقالات میں اس امر کی گنجائش نہ تھی کہ زیادہ تفصیل کے ساتھ گفتگو کی جاتی، اس لیے بعض اوقات تشنگی کا احساس ہوتا ہے۔ کتابچے کی اشاعت شاید بہت جلدی میں عمل میں آئی ہے اس لیے افسوس ناک حد تک ٹائپنگ کی اغلاط در آئی ہیں۔ (مدیر)

مدیر کے نام

قاضی رشید احمد علوی (گوجرانوالہ)

"روس کی سلطنت منتشر ہو جانے کے بعد دُنیا میں فکر کی ایک نئی لہر بیدار ہو رہی ہے جو کبھی بنیاد پرستی اور کبھی دہشت گردی کے ناموں سے معنون ہوتی رہتی ہے۔ اس صورت حال کے پیشِ نظر ہم پر لازم ہے کہ ہم [سوویت یونین] کی موجودگی کے دور میں کیے ہوئے بعض فیصلوں پر نظرثانی کریں۔ انہیں میں آپ کو ایک مسئلہ پر متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ ایک جگہ [وسطی ایشیا کے مسلمان] جلد ا، شمارہ ۱۱-۱۲، صفحہ ۲ پر آپ نے فرمایا کہ

ان برصغیر کی تحریک آزادی میں انقلابی طریقے پر یقین رکھنے والے علماء کرام اور کچھ پُرجوش نوجوانوں نے اشتراکیت کو اسلام کی معاشی تعلیمات کے مترادف سمجھا۔[1]

ان میں آپ نے مولانا عبید اللہ سندھی، مشیر حسین قدوائی، برکت اللہ بھوپالی کے نام اور اُن کی تحریروں کو بطور ثبوت حوالہ دیا۔ باقی احباب کو تو میں زیادہ گہری نظر سے اُن کی تعلیمات کے حوالے سے نہیں جانتا مگر مولانا عبید اللہ سندھی کے بارے میں اس قسم کا ادعاء بالکل بے محل ہے۔

میں نے شاہ ولی اللہ کو پڑھا اور اس کے لیے بطور گائیڈ عبید اللہ سندھی اور [مولانا محمد] قاسم نانوتوی کو پڑھا ہے۔ ان کی تعلیمات میں بالکل اس قسم کی کوئی چیز کم از کم میری نظر سے تو نہیں گزری۔ ہاں! ایک بات ہے کہ ان کی تحریک اور تعلیمات اپنے پڑھنے والوں کو متحرک ہونے کی دعوت دیتی ہیں اور بطور مثال وہ ضرور اُس وقت کے کمیونزم کے فلسفہ کو سامنے رکھتے ہیں اور اپنے شاگردوں کو بھی اس سے آگاہ کرتے رہتے ہیں----"

[۱۔ "وسطی ایشیا کے مسلمان" کی تحریر میں یہ نہیں لکھا گیا کہ ان بزرگوں نے اشتراکیت کو اسلام کی معاشی تعلیمات کے مترادف سمجھا، بلکہ اصل الفاظ یہ ہیں۔ "ان علماء کرام اور کچھ پُرجوش نوجوانوں نے اشتراکیت کو اسلام کی معاشی تعلیمات کے قریب دیکھا۔" مدیر]